خیابان

قاضی ہلال دلنوی



Qazi Hilal Dalnavi

خیابان

قاضی جلال لکھنوی

اپنے

چھوٹے

بھائی

قاضی

منظور

دلنوی

کے

نام

اپنی بات

"خیابان" میرے گیارہ سالہ کلام کے انتخاب پر مشتمل ہے۔ اس میں نظمیں، غزلیں اور قطعات و رباعیات شامل ہیں۔ شاعری کو دلی جذبات کا اظہار تصور کرتا ہوں اور میری شاعری محض ان حوادث و آلام کا بدیہی نتیجہ ہے جو ابتدا سے آج تک قدم قدم پر میرا دامن تھام چکے ہیں۔

میں ذاتی زندگی میں تضادات کا تختۂ مشق بن چکا ہوں۔ مستقل مزاجی کا میری فطرت میں کوئی دخل ہی نہیں ہے۔ طبعاً حد سے زیادہ حساس واقع ہوا ہوں۔ جو اکثر مجھے مافی الضمیر کھل کر اظہار کرنے میں مانع آتا ہے اور یہی چیز میری چند خداداد صلاحیتوں کو ابھرنے نہیں دیتی۔ زندگی کے جھمیلوں اور ہنگاموں سے دور رہنا میری فطرت ہے۔ نام و نمود سے آج تک برابر اپنا دامن بچائے رکھا ہے۔

اگرچہ ہمیشہ ہی بقول غالب "رہین ستم ہائے روزگار" رہا لیکن یک گونہ اطمینان مجھے بلا شبہ اس بات سے حاصل ہے کہ میں ملازمت کے سلسلے میں جہاں گیا اپنے شاگردوں میں مقبولیت و عقیدت حاصل رہی اور میں ایک پیشہ ور استاد کی حیثیت سے اس چیز کو اپنے لئے سب سے بڑے اعزاز و افتخار کا باعث سمجھتا ہوں۔

کتابوں کا مطالعہ بچپن سے ہی میرا محبوب ترین مشغلہ رہا ہے اور میں

بالتخصیص ہر قسم کی کتابوں کا مطالعہ نہایت ذوق و شوق سے کرتا رہا ہوں۔ اس میں فلسفہ سے لیکر جلنیات تک اور ادبیات سے لیکر مذہبیات تک ہر طرح کی کتابیں شامل ہیں البتہ پڑھنے کی نسبت لکھنے کی جانب بہت کم مائل رہا۔

شعر و شاعری کی طرف میرا رجحان یوں تو بچپن سے تھا لیکن درمیان میں ع۔ "نہیں آتی جو ان کی یاد برسوں تک نہیں آتی" کے مصداق تخلیق شعر کی طرف بے توجہی برتتا رہا اور اسی رک رک کر شعر کہنے کے عمل کا نتیجہ ہے کہ زیر نظر مجموعہ کلام میں آپ کو میرے شعری ارتقا کے تعین میں دقت محسوس ہوگی۔

شاید میرا یہ مجموعہ ابھی منصۂ شہود پر نہ آتا اگر میرا عزیز شاگرد رشید کانپوری میرے کلام کے منتشر اوراق کو کافی محنت کر کے منضبط نہ کرتا۔ پھر بھی اس میں شامل کلام تخلیقی تسلسل کے ساتھ مرتب نہیں ہو سکا ہے کیونکہ ایسا کرنا مجھ جیسے تساہل پسند انسان کے بس کا روگ نہیں جیسا کہ میں نے ابتدا میں بیان کیا کہ یہ مجموعہ کم و بیش گیارہ سال کی شاعری کا انتخاب ہے۔ انتخاب بہرحال انتخاب ہی ہے جس میں کچھ اچھی چیزیں شامل ہونے سے رہ گئی ہونگی اور بعض ناقابل قبول چیزیں شامل ہو چکی ہونگی۔

میں کسی بھی نیک مشورے کا خیر مقدم کروں گا اور قارئین حضرات سے امید ہے کہ وہ اپنی رائے سے آگاہ فرمائیں گے تاکہ میں آئندہ ان سے دامن کش ہو جاؤں۔

خیابان کی ترتیب و طباعت کے سلسلے میں محترم نشاط انصاری اور جناب محمد احسن احسن نے اپنے بیش قیمت مشوروں سے میری مدد فرمائی اس کے لئے ان دونوں دوستوں کا شکریہ بجا لاتا ہوں۔

قاضی ہلال دلنوی

دلنہ۔ بارہ مولہ
یکم جولائی ۱۹۷۹ء

شجرِ گل

متوازی خطوط

میں کہ افسردہ و ناشاد و ستم دیدہ ہوں
میں وہ نار اکہ گرا رات فلک سے یکسر
قطرۂ اشک کہ صحرا سے ٹپک جائے کوئی
تم کہ جس راہ سے گذرو تو بہار آجائے
کہکشاں جھک کے قدم چوم لیا کرتی ہے
کتنے ہی گوہر نایاب نچھاور تم پر
ہیں کہ گل کھلنے نہ پائے تھے قفس میں پہنچا
دن تو رو رو کے گذارا اور جب رات آئی
ہم صفیروں کی جگہ بوم کی آئی آواز
تم ببولوں کو گلابوں کی قبائیں بخشو
دن سمن زاروں میں شب طرب و تبسم مل جائیں
لمحہ لمحہ وہ خوشی دکھ کا تصور بھی نہ ہو

ہاں سمندر کی بلا خیز تھیں موجیں پھر بھی
میری کشتی نے بھی طوفانوں سے ٹکر لی ہے
عینِ گرداب میں پتوار اگر ٹوٹ گئی

تم کہ موجوں نے کبھی راہ نہ روکی ہرگز
اور اگر اٹھا بھی طوفان سلامت گذرا
یہی کشتی تھی کہ لے آئی کنارے پہ تمہیں

ایک بھی ہاتھ نہ اٹھا کہ دعائیں دے مجھے
ساز جو ہاتھ لگا راگ الاپے غم کے
غم بہ دل، مُہر بہ لب، خون بہ سر، ہوں یا رو
کوئی اس غم کو خوشی سے نہ خمیدہ کرے

تم کہ جس دل کو ستاؤ وہ دعائیں دے تمہیں
جس جگہ جاؤ طرب زار بنے وہ محفل
گل بدن، نغمہ بہ لب، عشرتِ دنیا بکنار
ہو مبارک تمہیں ایسی ہی خوشی بے خم و پیچ
بے کھٹک چلتے رہو ہم کو نہیں ملنا ہے

محبت کی .....

مری جان میں محبت چاہتا ہوں
تری خلوت میں جلوت چاہتا ہوں
یہی جنت ہے جنت چاہتا ہوں
محبت کی محبت چاہتا ہوں

لٹا دونگا جوانی کا خزانہ
نہیں پرواہ جو دشمن ہو زمانہ
لکھوں گا خونِ دل سے یہ فسانا
محبت کی محبت چاہتا ہوں

مچلتے ہیں ہزاروں دل میں ارماں
تری یادوں کی شمعیں ہیں فروزاں
تصوّر میں تم ہی ہو جلوہ ساماں
محبت کی محبت چاہتا ہوں

دلوں کے فاصلے اب کم بھی کردو
تقاضائے محبت کو سمجھ لو
نہیں شایاں غرورِ حُسن تم کو
محبت کی محبت چاہتا ہوں

تری یہ لاابالی اللہ اللہ
مقام ناز عالی اللہ اللہ
مرا شوق مثالی اللہ اللہ
محبت کی محبت چاہتا ہوں

وادیٔ سانکو[1]

سرزمینِ خطّۂ لداخ کی تو آبرو
وادیٔ شاداب ہے تو حاصل صد رنگ و بو

برلبِ دریائے سورو حسنِ فطرت چار سو
شاعرِ افسردہ خاطر کیلئے ذوقِ نمو

وادیٔ سانکو ترے رنگین نظاروں کو سلام
گلشنوں کو سبزہ زاروں کو ہساروں کو سلام

---

[1] سانکو ضلع لداخ کی ایک حسین وادی ہے۔ یہ کرگل سے جنوب کی طرف چالیس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

ذرّے ذرّے میں یہاں سرمایۂ امن و سکون
نے کوئی ہنگامہ خیزی نے غمِ دنیائے دوں
واہ یہ رنگین فضا لیکن مرا سوزِ دروں
کس قدر تڑپا رہا ہے کیا کہوں کس سے کہوں

وادئ سانکو ترے اعجازِ مرہم کو سلام
تجھ سے چارہ ساز کو اور تجھ سے ہمدم کو سلام

یہ قد آور کوہ ہر سو مخملیں تنبو کے گرد
جیسے پہرے دار ہوں اک ملکۂ مہرو کے گرد
کوئی البیلی دوشیزہ سبزۂ خودرو کے گرد
کرتی ہے اٹھکیلیاں جیسے صبا خوشبو کے گرد

وادئ سانکو ترے اس حسنِ سادہ کو سلام
اور تیری مستئ بے جام و بادہ کو سلام

ہر طرف پھولوں کی خوشبو موج میں آئی ہوا
شرحِ دنیائے چمن کچھ گل یہاں کچھ گلعذار

وہ شبابِ پُرفتن ہر سو قطار اندر قطار
اور کوئی مستِ عرفاں زاہدِ شب زندہ دار

وادیٔ سانکو تیرے بانکے جوانوں کو سلام
زہد و تقویٰ سے جو پیہم ہیں ان اذانوں کو سلام

غم کے اندیشے نہیں پروائے عشرت بھی نہیں
تجھ پہ قرباں شہر ہائے پُرطرب اور دلنشیں
خاک کے ذرّے یہاں کے رشکِ تاج و نگیں
یہ سکون پرور فضا جنت میں بھی ممکن نہیں

وادیٔ سانکو معطر تیرے گلشن کو سلام
جانفزا حسنِ چمن جنت رشک کو سلام

ہاں ابھی تہذیبِ حاضر سے نہیں تو آشنا
وارثِ اسلاف ہے تو کم نہیں یہ مرتبہ
پنجتن کی حق پرستی تجھ میں دیکھی برملا
یہ توکل یہ قناعت لگ رہا ہے خواب سا

وادیٔ سانکو ترے مذہب پرستوں کو سلام
حق شناسوں کو مئے الفت کے مستوں کو سلام

چہرۂ تنویر سے گھر اگر ہیں خالی برقی نور سے
کم نہیں ہرگز مگر یہ جلوہ گاہِ طور سے
نورِ ایمانی نظر آتا ہے ان میں دور سے
پیش آتے ہیں محبت سے ہر اک تیور سے

وادیٔ سانکو ترے روشن ضمیروں کو سلام
ان بظاہر مفلسوں دل کے امیروں کو سلام

تیری حالت کا مجھے آتا ہے رہ رہ کر خیال
دعویٔ منصوبہ بندی اور پھر تیرا یہ حال
دیکھنا تو دیکھنا سننا بھی جس کا ہے محال
کچھ نہ کہتے تھے بھی لیکن یہ تو کہہ دیگا ملال

وادیٔ سانکو ترے اربابِ عشرت کو سلام
مفلسی پر خندہ زن تیری حکومت کو سلام

میراوطن

ارضِ گل و یاسمن کشمیر ہے
زندہ دلوں کا وطن کشمیر ہے
ثانیِ باغِ عدن کشمیر ہے
مخزنِ ہر علم و فن کشمیر ہے
بلبلیں ہیں ہم اس
~~ہم ہیں بلبلیں اور~~ چمن کشمیر ہے
یہ وطن میراوطن کشمیر ہے

ہر حسین اس کے تقدس کی دلیل
ہر ندی اس کی مثالِ سلسبیل

آبِ تازہ

آبِ حیواں سے بھری ہر ایک جھیل
رودِ جہلم کم نہیں از رودِ نیل
گل عذار و گل بدن کشمیر ہے
یہ وطن میرا وطن کشمیر ہے

گود میں ہے اک چمن کوہسار کے
اور کنول زینت ہیں اس گلزار کے
پھول قاتل ہیں یہاں ہر خار کے
کیا مزے ہیں دیدۂ بیدار کے
ظالموں پہ تیغ زن کشمیر ہے
یہ وطن میرا وطن کشمیر ہے

یہ وطن آزاد کا، مہجور کا
یہ چمن ہے میر کا اک حور کا
ہے صمد موسیٰ اسی کے طور کا
نظم کو عرفاں ہے اس کے نور کا

جان نور الماریؒ تن کشمیر ہے
یہ وطن میرا وطن کشمیر ہے

اللہ اللہ خُلد کی یہ سرزمین
خاک اس کی بہتر از لعل و نگین
خطۂ اُنس و محبّت بالیقین
حرفِ نفرت یاں کوئی سُنتا نہیں

اُلفتوں کی انجمن کشمیر ہے
یہ وطن میرا وطن کشمیر ہے

یہ سبق دیتا رہا ایمان کا
بول بالا ہے یہاں عرفان کا
یاں نمونہ ہر بشر انسان کا
دہر ہے قائل اسی احسان کا

واقعی دارالامن کشمیر ہے
یہ وطن میرا وطن کشمیر ہے

کون کرے زیر کس کا حوصلا
یہ دبانے پر اُبھرتا ہی رہا
دوستوں کے واسطے بادِ صبا
دشمنوں کے حق میں پیغامِ قضا

اک مچلتا بانکپن کشمیر ہے
یہ وطن میرا وطن کشمیر ہے

اتنی تعریفیں بجا لیکن ہلال
اس کی قسمت پر ہوا اکثر ملال
جبر اب بھی کر رہا ہے پائمال
یہ ستم اور اس کی ہمت بے مثال

اپنے سر باندھے کفن کشمیر ہے
یہ وطن میرا وطن کشمیر ہے

مشورہ

اب مرا انتظار مت کرنا

گردشِ روزگار کے ہاتھوں
شوق کی راہ گذر ہی چھوٹ گئی

ناؤ ساحل تک آتے آتے رہی
موجِ طوفان اثر نے آ گھیری

آنکو اب وقتِ انتظار نہیں
دل کو یارا نہیں اُمیدوں کا
اب قدم مضمحل ہیں تھک کر چور
عمر تبہ جو ان ہوں ہیں جھیلوں کا

اب لبِ بامِ آفتاب ہوں میں
دل کا مہتاب تم نہ گہنانا
میں نے بھی انتظار چھوڑ دیا
بھول کر تم بھی دل کو بہلانا

چاندراتیں تری نگاہوں میں
خواب بن کر سنور رہی ہونگی
جب نیا اک جہاں بسانے پر
ہم نے تسکینِ زیست پائی تھی

غم کا اب دل کو غم نہیں کوئی
اب خوشی کا بھی کوئی ہوش نہیں
زندگی ہے کہ موت اے ہمدم
جذبہ کوئی نہیں ہے جوش نہیں

بھول جا تیرا کوئی خواہاں تھا
بھول تم نے کسی کو چاہا تھا

یوں سمجھ خواب تھا یہ بے تعبیر
ایک دن دوپہر کو دیکھا تھا

اے مری زندگی تری خاطر
کشتِ حسرت کی آبیاری کی

تیرہ و تار رہ گزاروں کو
اشکِ خونیں سے روشنی بخشی

ہر قدم حسرتیں ہوئیں پامال
اور تاریک تر ہوئیں راہیں

میں نہیں لاش ہے شکستوں کی
لاش ہے یہ سمیٹ لے بانہیں

انتظار اب فضول ہے تیرا
اب مرا انتظار مت کرنا

بہار اور میں

بہار ہی بہار ہے　　گلوں پہ اک نکھار ہے
وہ فرشِ سبزہ زار ہے　　دلوں کو بھی قرار ہے
کہیں فسردگی نہیں
مگر مجھے خوشی نہیں
خزاں کے دن گذر گئے　　خوشی کے جام بھر گئے
چمن چمن سنور گئے　　جہاں گئے جدھر گئے
خیالِ برہمی نہیں
مگر مجھے خوشی نہیں

وہ دوستوں کے قہقہے یہ بلبلوں کے چہچہے
یہ سبزہ زار لہلہے! وہ آبشار کیا نہے

غموں کی چھاؤں بھی نہیں
مگر مجھے خوشی نہیں

یہ محفلیں سرور کی وہ بزم رنگ و نور کی
اُڑان وہ طیور کی یہ رقص گاہ حور کی

خوشی کی کچھ کمی نہیں
مگر مجھے خوشی نہیں

وہ بادلوں کے کارواں یہ شعلہ خیز بجلیاں
رواں ہیں سوئے گلستاں دوشیزگانِ نغمہ خواں

فقط یہ نغمگی نہیں
مگر مجھے خوشی نہیں

فرازِ کوہ کی ندی بجائے سازِ سرمدی

جو سدِّ راہ بن گئی چٹان وہ اکھاڑ دی!

رواں ہوئی رُکی نہیں
مگر مجھے خوشی نہیں

یہ شوخیاں شباب کی   وہ صورتیں گلاب کی
رُتیں شراب ناب کی   گناہِ بے حساب کی
غموں کی یہ گھڑی نہیں
مگر مجھے خوشی نہیں

یہ موسمِ گل و سمن   غموں کی دل میں اک چبھن
ڈھلاں تیرا فکر و فن   رہینِ صد غم و محن
یہ کوئی زندگی نہیں
مگر مجھے خوشی نہیں



تضمین

یہ نہ سوچا کہ ابتدا کیا ہے　　　یہ نہ جانا کہ انتہا کیا ہے
مذہبِ عشق میں روا کیا ہے　　　"دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے"

بزم میں ان کی آئے پہلی بار　　　حرفِ مطلب نہ کر سکے اظہار
اپنا اصرار اور وہ انکار　　　"ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار
یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے"

سچے عاشق کی شان رکھتے ہیں　　　دل میں تیرا نشان رکھتے ہیں
جان دینے کو جان رکھتے ہیں　　　"ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں
کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے"

دل جو توڑا ہے جوڑنا ہوگا　　　حشر میں تیرا فیصلہ ہوگا
وہی بھرنا ہے جو کیا ہوگا　　　"ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا
اور درویش کی صدا کیا ہے"

ساغر و گل کہاں سے آئے ہیں　　　ساز و بلبل کہاں سے آئے ہیں

سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں
ابر کیا چیز اور ہوا کیا ہے"

جان تم کو پیار کرتا ہوں
صدقے تم پہ بہار کرتا ہوں
عہد یہ بار بار کرتا ہوں
"جان تم پر نثار کرتا ہوں
میں نہیں جانتا دعا کیا ہے"

یہ جہاں یہ فضائے لامحدود
انجم و مہر و ماہ چرخ کبود
کیا کہا ؟ سب ہے بود بے بود
"جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے"

ناز ساماں و نازنین کیوں ہے
خود ہی جھکتی مری جبیں کیوں ہے
میری مسجود دیر و زمین کیوں ہے
"شکن زلف عنبریں کیوں ہے
نگہ چشم سرمہ سا کیا ہے"

خستہ دل بھی ہے اور حزیں غالب
درد کا شرط اولیں غالب
کون حسرت کا ہے کمیں غالب
"ہم نے مانا کہ کچھ نہیں غالب
مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے"

سحر ہونے تک

شب فرقت میں تیری یاد خنجر کی کسک بن کر
چبھی دل میں
جھڑی اک آنسوؤں کی لگ گئی
خیالوں نے دیئے روشن کئے تیری امیدوں کے
ادھر پر خوف سناٹا یہ ہیبتناک تنہائی
دیئے آخر جلیں کب تک
سیاہی شب کی چھائے گی
بڑی مدت سے جو محفل سجائی ہے خیالوں کی
بکھر جائے گی، اُجڑے گی
بہت افسوس ہے، افسوس ہے، لیکن
نہ تو آئی نہ آئے گی ۔



خطۂ اوڑی

تیرے کوہستان ہیں صد رشکِ لالہ زارِ حسن
تیرے سنگریزے ہیں قیمت میں دُرِ شہوارِ حسن
تیرے غازی ملک و ملت کے سپہ سالارِ حسن
تیری عصمت کے محافظ ہیں ترے کہسارِ حسن
خطۂ اوڑی چمن زارِ شجاعت مرحبا

تیری چٹانیں ہیں بے شک معدنِ لعل و گہر
تیرے پتھر ہیں گراں از تودہ ہائے سیم و زر
جنگلوں میں یہ تیرے مسحور کن اونچے شجر
دعوتِ نظارہ دیتے ہیں بلا خوفِ خطر
خطۂ اوڑی مرے خوابوں کی جنت مرحبا

مدتوں تیری زمین تھی عرصۂ کرب و بلا
تیرے حالِ زار کا برسوں کوئی پرساں نہ تھا
تجھ کو اپنوں اور پرایوں نے کبھی پوچھا نہ تھا
تو ہدف بنتا رہا ہر ظلم کا ہر جور کا
خطّۂ اوڑی تری یہ استقامت مرحبا

تیرے فرزندوں نے جھیلے ہیں ہزاروں درد و غم
جانبِ منزل بڑھے لیکن بصد جاہ و حشم
جہدِ پیہم کا نتیجہ ہو گیا آخر بہم
کاوشیں انکی ہیں اور اللہ کا فضل و کرم
خطّۂ اوڑی سزاوارِ فضیلت مرحبا

برق بن کر ظلم کے خرمن کو خاکستر کیا
جابروں پر وار پھر بے تیغ و بے خنجر کیا
مرحلہ پھر فتح کا اس طور تو نے سر کیا
دیکھنے والوں کو جرأت نے تری ششدر کیا
خطّۂ اوڑی تری صبحِ مسرت مرحبا

خواب سے یوں جاگ اُٹھے ہیں تیرے شہرآب
کس کی ہمت ہے جو کر لے گا دوبارہ زیرِ آب
گیدڑوں کو چال چلنے میں ہوئی ہے دیر اب
یاں کسی شداد و فرعون کی نہیں ہے خیر اب
خطۂ اوڑی یہ تیرے اہلِ شہرت مرحبا

کامرانی کی فقط یہ ابتدا ہے دوستو
سوچ کر چلنا ہے چل کر سوچنا ہے دوستو
بڑھتے ہی جاؤ کہ منزل تھامنا ہے دوستو
پھر یقیناً سب کو کہنا پڑیگا دوستو
خطۂ اوڑی کہ ہے شہکارِ فطرت مرحبا



فریب

تم نے نقلی مال منگایا
دلکش سے لیبل لگوائے
شے تھی اک کمزور بھاری سی
لیبل تھا خوش رنگ اور دلکش
شاپ کے دروازے پر خوب نمایاں سے گوشے میں
لٹکا کر اس لیبل کی رنگین اور دلکش
تصویر کو تم نے
ہر راہگیر کو اپنی دکان کی جانب کھینچا
آنے جانے والے کا دل موہ لیا ہے اس لیبل نے

لیبل پر نظریں اٹک جاتی ہیں
لیکن گاہک ہو کہ مسافر
اندر اس شے کی اصل کو اس نے کب دیکھا ہے
میرا تم لیبل ہے میرے ہی دل کا۔

لیڈر کی دعا

خدایا مری لیڈری یوں نبھانا | کہ اس قوم کو نیند سے مت جگانا
اگر جاگنے پر کہیں آ گئے بھی | مری لوریوں سے انہیں پھر سلانا
الٰہی غریبوں کی آواز سن کر | مرے دل میں انصاف ذرہ نہ آنا
نہ ہو مجھ کو فرصت سنوں بے بسوں کی | مرا کام ہو اپنی ہی بس سنانا
کہیں کوئی مظلوم روئے تو سمجھوں | کہ یہ راگ پنچم میں گانا ہے گانا
رہیں لوگ بے کار بے گھر گداگر | مگر ہو مجھے کار، بنگلہ، خزانا
جہنم میں جائیں غریبوں کے ایم اے | مرے ہوں مڈل فیل افسر شہانا
محل ہوں فلک بوس مجھکو میسر | کسی کا نہیں ہے نہ ہو کچھ ٹھکانا
مریں لوگ بھوکوں تو پروا نہیں کچھ | مجھے ہو چکن، سوپ، صبح و شبانا
یہ مفلس لنگوٹے میں ٹھٹھریں کہ بر میں | مرے سوٹ فیشن میں ہوں عاشقانا
نہیں میں کسی کا بجز اپنی ذات کا عاشق | اسی پر چلانا اسی پر مٹانا
مری آخری آرزو [illegible] | کہ دوزخ میں بھی مجھ کو لیڈر بنانا

ترانۂ جاربد

رونق جہاں بھر کی مٹاتے ہوئے چلو
نقشہ تباہیوں کا بٹھاتے ہوئے چلو
جمہوریت کے نام پر جتنا بھی ہو سکے
ظلم و ستم عوام پہ ڈھاتے ہوئے چلو
ٹیکسوں کے نام پر کبھی بچت کے نام پر
سونے کے ڈھیر گھر میں لگاتے ہوئے چلو
موج صبا میں تلخ دھوئیں سے مشین کے
افسردہ خاطری کو بڑھاتے ہوئے چلو
برپا کرو امن کا ڈھنڈورا یہاں وہاں
سب کو اجل کی نیند سلاتے ہوئے چلو

قاتل بنو کہ موت کے پیغامبر بنو

لب پر دمِ مسیحا سجائے ہوئے چلو

کشکول میں جو دکشنا حاصل کہیں سے ہو

بن کر "بڑے" بموں پہ اتراتے ہوئے چلو

خود بے دھڑک جماؤ تسلط نڈر ہو کے

اوروں کو درس نیکی کا دلاتے ہوئے چلو

لیڈر بنو تو منبر دبانا کسی سے سیکھ لو

رستے چلو تو دھول اڑاتے ہوئے چلو

خنجر کسی کے دل پہ چلے غم نہیں ہے لال

نغمے بصد اقتوں کے سناتے ہوئے چلو



"...چنار حسینوں کے خطوط"

ہمیں بھی ملے ہیں حسینوں کے خط
وہ خورشید وش، مہ جبینوں کے خط

وہ نازک بدن نازنینوں کے خط
ادا ہیں لئے باقرینوں کے خط

نئے آخرش زخم پیہم وہ خط
کہ ہیں آج تک میرے ہمدم وہ خط

محبت کی پینگیں بڑھاتے وہ خط
قیامت مرے دل پہ ڈھاتے وہ خط
رلاتے کبھی اور ہنساتے وہ خط
مگر پھر بھی دل کو رجھاتے وہ خط

وہ خط زندگی کی لطافت لئے
وہ خط سینکڑوں عیش و راحت لئے

لئے دھمکیاں خودکشی کے وہ خط
کبھی توڑنے والے وعدے وہ خط
کئے تر بدن کے لہو سے وہ خط
کہیں گرم آنسو سے بھیگے وہ خط
وہ خط ہم کو پہروں رلایا کئے
وہ خط دیکھ ہم تلملایا کئے

وہ پیغام یاس و حسرت کے خط
وہ رہزن بنے امن و راحت کے خط
محبت میں انکی خیانت کے خط
وہ انکار بنکر ندامت کے خط
وہ خط جن میں تھا زہر قاتل بھرا
وہ خط توڑ بیٹھے مرا آسرا

وہ اظہار مہر و محبت کے خط
کسی مرض پر وہ عیادت کے خط
لکھے ایک ماہ طلعت کے خط
وہ الفاظ رنگیں نزاکت کے خط

لئے دائمی عافیت کی دُعا
کریں مرض ناز لیست لیکن عطا

ہلال اب جوانی کی شام آ گئی
شب تار کی تیرگی چھا گئی
گئے دن کہ تحریر خط بھا گئی
کئی روز یونہی جو بہلا گئی
چلو پھینک دو اب بُھلا لو وہ خط
جوانی کے کھلتے میں ڈالو وہ خط



تلاش

کچھ سنگلاخ چٹانیں حائل
تاریکی کالی ناگن سی
لہولہان تھے آبلہ پا ہم
لیکن سوچ سمجھ کر رستے ہیں چلتے تھے
چلتے تھے تو مل کر چلتے
منزل کی جانب کونے کھدرے جھانک کے ہر پل قدم ملاکر
بڑھتے جاتے
پر یہ تابش اور تمازت جب سے پھیلی
آنکھیں چکا چوند ہوتی ہیں
راہ سے اکثر بھٹک گئے ہم

آج بھی میں خورشیدِ درخشاں کی تیزی میں
ساتھ اسکا ہمراہ کے نکلا
جو صدیوں سے ہر تاریکی ہر مشکل میں
میرا ساتھی میرا ہمدم اور مرا ہمراز رہا ہے
لیکن نورانی کرنوں نے راہزنی کی
سورج جب نصف النہار پہ پہنچا
کچھ لمحوں کا کھیل تھا ایسا
میرا ساتھی مجھ سے بچھڑا
میرا اطلاع عام ہے لوگو
تم کو ملے تو مجھ سے کہنا۔ بس اسکی پہچان یہی ہے
وہ ہر لمحے دبی زبان میں دہراتا ہے
"میرا نام انسان ہے" میں انسان ہوں لوگو



انجام

موسم برسات میں چھائی گھٹا گھنگھور سی
چند لمحوں میں پھواریں اور پھر بارش کا زور
ایک ریلا بن کے ندی وہ فرازِ کوہ سے
پیچ و خم کھاتے ہوئے بہنے لگی
کوہساروں، چوٹیوں سے شور و غل کرتے ہوئے
کچھ تناور دیوداروں دیو قامت پتھروں کو زیر کر کے
راستے پر اور کبھی اپنے نئے رستے چنے
بھول کر آغاز کو بہتی رہی اور نہ کچھ انجام کا آیا خیال
جھاگ ٹپکاتی ہوئی دیوانہ وار
کھیتیوں کو لالہ زاروں کو نگلتی ہی چلی

راستے میں کچھ پرانی ندیوں نے ساتھ چلنے کو کہا
کوہ سے آئی ندی مستانہ یوں بہتی رہی
مست ہاتھی کی طرح چنگھاڑتی آگے بڑھی
یک بیک اک بیکراں دریا کا ساحل آگیا
دیکھتے ہی یاسیت ندی کے دل پر چھا گئی
اب نشیبوں سے فرازِ کوہ پر جانے لگی
اُف یہ ناممکن تھا ناممکن بھلا ممکن کہاں
سوچتی تھی پر قدم دریا کی جانب تھے رواں
دم زدن میں اژدرِ دریا ندی کو کھا گیا
چند لمحوں میں تماشہ یوں ہوا
دھاڑتی ندی کی مستی تھم گئی۔



دوہے

شیتل من تھا برہ کی اگنی لاگی ایسی ریت
پو پھوٹے تک حال بنا وہ راکھ نے کھائی مات

سجن تھے ایسے بیچ بھنور میں لا کر چھوڑا ہاتھ
تٹ پر آنا لاگے مشکل لہریں نا دیں ساتھ

سندر کومل دیوی اک اک جگت میں ایسی بھائے
حلوائی کے ہر پکوان پہ جوں بالک للچائے

دھرم کے رکھشک ڈال گئے ہیں دل پر ایسی چھاپ
میں جگت کلیان کا کیسے کر پاؤں گا جاپ

گیانیوں کے اگیان نے ایسی بھڑکائی ہے آگ
دھرتی کی اُکھڑ ناری کا آج سُلگ گیا سہاگ

چڑھتا سورج یوں آیا لیکر اک وشواس
پل پل دن کے ڈھلتے یارو "ٹوٹن لاگی آس"

رُت آئے رُت جائے کتنے برس گئے یوں بیت
ڈھونڈے سے بھی مل نہ سکا بابا کوئی سچا میت

کہنے کو تو سب کہتے ہیں سچی بات ہلال
سچائی کا سب سے زیادہ دھرتی پر ہے کال



شاخِ گل

میں نے اُن کا شباب دیکھا ہے
ہوش میں ایک خواب دیکھا ہے

کتنی راتوں میں تجھ کو بھی زاہد
غرقِ رقص و رباب دیکھا ہے

لمحہ لمحہ سکوں کو ترسا ہوں
لحظہ لحظہ خراب دیکھا ہے

خوف کیا ہو کسی تغیّر کا
میں نے وہ انقلاب دیکھا ہے

بے دھڑک یوں گناہ کرتا ہوں
جیسے روزِ حساب دیکھا ہے

جب بھی دیکھا ہلال کو ہم نے
غرقِ صد اضطراب دیکھا ہے

کیا کرے کوئی عرضِ ہنر دوستو
کاش ہوتا کوئی دیدہ ور دوستو
ہو خدارا ادھر بھی نظر دوستو
دل جلوں کی بھی لینا خبر دوستو
عشق ہی ہے علاجِ غمِ دو جہاں
کاش ہوتی تمہیں بھی خبر دوستو
موسمِ گل بھی ہے اور ہے ابر بھی
ایک ساغر بڑھانا اِدھر دوستو
نیکیاں بھی گِنو جانے والے کی اب
عیب ڈھونڈا کئے عمر بھر دوستو



آؤ بتائیں دلکش رات
بھول کے ہم سارے خدشات

جشنِ طرب ہے ان کے لئے
درد و الم اپنی سوغات

کتنا ارزاں سمجھے ہم
دورِ جوانی کو ہیہات

جن پہ بھروسہ تھا اپنا
وہی لگائے بیٹھے گھات

دوست نما سب دشمن تھے
جو کرتے تھے میٹھی بات

چہرے تو سب روشن ہیں
دل اکثر بحرِ ظلمات

رات کٹی میخانے میں
یا گذری تاروں کے سات

کیسے نبھے اوروں سے ہلال
سب سے الگ ہے اپنی بات

کر گئیں بے قرار کچھ باتیں
رہ گئیں یادگار کچھ باتیں

مجھ کو قند و نبات لگتی ہیں
ان کی ناخوشگوار کچھ باتیں

پھول ہوتی نہیں سبھی اے دوست
ہوتی ہیں نوکِ خار کچھ باتیں

جن کے سلجھے دماغ ہیں وہ بھی
کرتے ہیں پیچدار کچھ باتیں

وقت ناسازگار ہو پھر بھی
ہوتی ہیں سازگار کچھ باتیں

گل بداماں بنا گئی ہیں زلیست
اُن کی باغ و بہار کچھ باتیں

گریہ ساماں ہلال ہوتی تھیں
آپ کی نغمہ بار کچھ باتیں

عجب اک سرخوشی ہے اور میں ہوں
بلا کی بے خودی ہے اور میں ہوں

ستارے کارواں در کارواں تھیں
مری تنہا روی ہے اور میں ہوں

مبارک آپ کو ہوش و خرد ہو
مری وارفتگی ہے اور میں ہوں

جسے ہے دیکھ کر دنیا کی حیرت
وہ طرزِ عاشقی ہے اور میں ہوں

جہاں کے آئینہ خانے میں یارب!
تری جلوہ گری ہے اور میں ہوں

ہلالؔ اپنوں نہ بیگانوں سے مطلب
یہ دنیا اجنبی ہے اور میں ہوں

وہ ہم سے بر ملا اب کیا ملیں گے
عدو کے ساتھ وہ بھی جا ملیں گے ستاروں کا ملنا تھا
~~ستارے بھی کبھی ملنے تھے~~ مشکل
مگر اب چاند زیرِ پا ملیں گے
یہ قحطِ آدمیت اُف قیامت
جہاں میں آدمی صدہا ملیں گے
میری قسمت میں لکھا ہے اندھیرا
دلِ ناداں اُجالے کیا ملیں گے
یہ سچ ہے پھر بہار آئی ہوئی ہے
بہارِ رفتہ کے گُل کیا ملیں گے
فریبِ دوستی کھایا جنہوں نے
وہ کھُل کر پھر کسی سے کیا ملیں گے
بہار آ کر نہ جائے گی کبھی پھر
ہلالؔ ایسے ہیں وہ جو آ ملیں گے

نغمۂ عیش سُناؤ کہ بہار آئی ہے
آ ملو پھول کھلاؤ کہ بہار آئی ہے

چاندنی مہکی وہ بادل نے سمیٹا پردہ
زُلف کو رُخ سے ہٹاؤ کہ بہار آئی ہے

ہم نے کیا کیا نہ ستم دورِ خزاں میں جھیلے
دوستو بھول بھی جاؤ کہ بہار آئی ہے

تشنگی حد سے گذر جائے تو مشکل ہوگی
جام پر جام پلاؤ کہ بہار آئی ہے

گل بدن رشکِ بہاراں ہو زمانے کیلئے
اب تو آغوش میں آؤ کہ بہار آئی ہے

غم کی مسموم ہواؤں کے دن بیت گئے
اب ہلال ہوش میں آؤ کہ بہار آئی ہے



شورشِ دنیا راس نہ آئی تنہائی سے پیار کیا
چند خیالوں کی محفل میں خوب سجی اپنی دنیا

پھولوں کی جب خوشبو پھیلی عالم سب رنگین ہوا
ٹیس اُٹھی زخموں کی دل میں کانٹوں نے دامن تھام لیا

چاند ستارے بھی ہیں روشن سورج بھی ہے ضو افگن
پھر بھی کیوں ہر شخص اندھیرے میں ڈھونڈے ہے رستا یوں

درد و الم کے ماروں پر اے چارہ گرو کچھ رحم کرو
آنسو پونچھو کیا ہونا ہے مرہم کر لو زخموں کا

لفظوں کی متعفن لاشیں ہر جانب بے گور و کفن
مہر و وفا کی باتیں سب افسانے افسانوں کا کیا

یخ بستہ سے جذبے کچھ اور افسردہ ارمان کئی
یہی ہلال ہے اپنی پونجی یہی ہے اپنا سرمایہ

●

اے دل ان کو یاد نہ کر
خود کو یوں ناشاد نہ کر

تیری جوانی کیا کم ہے
اور ستم ایجاد نہ کر

پیماں کی تو ہیں نہ ہو
اپنے وعدے یاد نہ کر

عشق کے عنواں کب بدلے
دیر و حرم ایجاد نہ کر

چہرے سب کے دلکش ہیں
دل پر ان کو صاد نہ کر

کس کی ہمت پہنائے
طوق و سلاسل یاد نہ کر

عہدِ شباب ہلال اپنا
رو رو کر برباد نہ کر

اے ستم ایجاد تیرا شکریہ
اور کرم بیداد تیرا شکریہ

تجھ سے پہلے راہِ ہستی تیرہ تھی
نور کے شہزاد تیرا شکریہ

اب غم و آلام کا خوگر ہے دِل
مائلِ بیداد تیرا شکریہ

شادمانی بخش دی تو نے مجھے
اے دلِ ناشاد تیرا شکریہ

وہ تبسم، وہ خوشی، وہ سرخوشی
اب کہاں ہے یاد تیرا شکریہ

اے تصوّر تیرے صدقے جائیے
اب بھی ہیں وہ یاد تیرا شکریہ

لب پہ ہے اپنے ہلالؔ اب بھی یہی
اے ستم ایجاد تیرا شکریہ

شوق

غم کو دنیا سے مٹائیں یارو — نغمۂ عیش سنائیں یارو
اپنا قسمت نے اڑایا ہے مذاق — ہم ہنسی اسکی اڑائیں یارو
بے خودی ایک علاج غم ہے — جام گردش میں تو لائیں یارو
دیکھنا چاہیں جو غم کی تصویر — وہ مجھے دیکھ لیں آئیں یارو
~~ہم انہیں بھولیں یہ ناممکن ہے — وہ ہمیں بھول ہی جائیں یارو~~
ضبط غم کی کوئی حد ہوتی ہے — یونہی دم نہ توڑ نہ جائیں یارو
پیچ قسمت کے سنور جائیں گے — وہ جو زلفوں کو سجائیں یارو
ان کے شعروں میں ہو کیا سوز و گداز — چوٹ دل پر جو نہ کھائیں یارو
کچھ تو گلشن میں چراغاں کر دیں — آشیاں اپنا جلائیں یارو

شام غم شام غزل بن جائے
خواب بن کر وہ جو آئیں یارو

غم سے کیا گھبرائیں دوست
پہلے ہی ہم مرجائیں دوست

حرفِ وفا اپنا ایمان
جب کہنے پر آئیں دوست

ناز اُٹھائے ہیں جن کے
خار وہ ہم سے کھائیں دوست

گلشن میں جب مہکیں پھول
کانٹے خون بہائیں دوست

ہم جو اہلِ جنوں ٹھہرے
ہم کو کیا سمجھائیں دوست

زاہد بعد میں بحث کریں
پہلے کچھ پی آئیں دوست

ہمدم کا چہرہ غمگین ہو جب
ہم ہی کیسے [illegible] دوست

یاں تو سب بیگانے ہیں
کس کو حال سنائیں دوست

لطف و مروت، جور و ستم
اک دل لاکھ بلائیں دوست

کس کو ~~جانیں اپنا~~ لال! اپنا سمجھیں
ہم کس پر اترائیں دوست

یہ شب بخیری مقدر ہے ہمارا
ستارو ساتھ مت چھوڑو خدارا

شفق خونیں کہانی لکھ رہا ہے
بجرم کھُلنے کو انسان ہے تمہارا

کہاں یہ ہاتھ پاؤں مارتے ہیں
ادھر تم ہو اُدھر پانی کا دھارا

گذرتا وقت ہے دریا کی مانند
گیا تو پھر نہیں ملتا دوبارا

ہلالؔ یہ چند روزہ زندگی ہے
نہ یوں ضائع کرو اس کو خدارا



اب بھی وقت ہے آؤ نا — اب زیادہ نہ تڑپاؤ نا
خالی جام نہ دو پیارے — تلچھٹ ہی پلاؤ نا
رات اور اتنی دلکش رات — ایسے میں آ جاؤ نا
دیوانے فرزانے ہیں — اہلِ خرد اتراؤ نا
جو ہنستا ہے روتا ہے — کلیو یوں مسکاؤ نا
راہ میں اپنی کانٹے ہیں — ساتھ ہمارے آؤ نا
موسیٰ پر ہی ختم ہو کیوں — پھر جلوہ دکھاؤ نا
ارمانوں کے گلشن میں — اتنے پھول سجاؤ نا
یارو ہم تنہا ہی خوب — جاتے ہو تو جاؤ نا

دل میں غم ہوں لاکھ ہلال
اوروں دنیا کو تو ہنساؤ نا

آنے کو یوں جہاں میں آئے ہزار عید
لیکن نہ دل کو بخش سکے گی قرار عید

خوش حال کو پیام نشاط و سرور ہے
نادار کو پیامِ غم بے شمار عید

سمجھے تھے ہم کہ ہوگی پیامی سکون کی
وہ غم دیئے کہ تیرا اٹھا اعتبار عید

ناکامیابِ عشق کو پیغامِ اضطراب
اور کامیاب شوق کے دل کا قرار عید

پیتا ہے اپنا خونِ جگر آج بھی غریب
گل رنگ جام کو کہے سرمایہ دار عید

مفلس کو راس آئے محرّم ہی دوستو
سرمایہ دار چاہے کہ ہو بار بار عید

ہونگے ہلال اور جنہیں دے گئی خوشی
آکر مجھے بنا گئی ہے سوگوار عید

کیا عالم ہے عشق کا عالم ۔۔۔ لب پہ تبسم آنکھیں پُرنم
تم سے کیا منسوب ہوئے ہم ۔۔۔ عالمِ دل ہے درہم برہم
کوئی خوشی بھی راس نہ آئی ۔۔۔ کس نے ایسے بخش دیئے غم
حال وہی ہے واعظ کا بھی ۔۔۔ جو اپنا ہے پی کر عالم
موت بھی رشک سے شرماتی ہے ۔۔۔ دیکھ کے میری زیست کا عالم
اہلِ جہاں کی اُلفت دیکھی ۔۔۔ باتیں میٹھی اور وفا کم

کس کی یاد ہلال یہ آئی
ہنستے ہنستے آنکھ ہوئی نم



صورتوں کے یہ بھولے بھالے لوگ
سب ہی اپنی جگہ نرالے لوگ

اک ملمّع ہنسی کا چہروں پر
دل میں اکثر ہیں غم کو پالے لوگ

بیقراری سی بے قراری ہے
کیسے جیتے ہیں یہ جیالے لوگ

چاند تاروں کو چھو لیا تو کیا
دل کے پائیں نہ جب اُجالے لوگ

ہم ہی ضبطِ الم نہ کر پائے
ورنہ سب ہیں زبان والے لوگ

تم بھی نکلے ہلالؔ وہ حضرت
چند شعروں پہ جس نے ٹالے لوگ



کوچۂ جاناں میں جب سے آ گئے
زندگی کا خاص مقصد پا گئے
کوثر و تسنیم سے کیا کام ہے
وہ نظر کے جام کو چھلکا گئے
پھر شکستِ توبہ کا ہنگام ہے
پھر وہ بادل آسمان پر چھا گئے
جب کہیں آرام کے سائے ملے
آگ کے شعلے وہیں پر آ گئے
شورشِ جذبات نے تڑپا دیا
حسرتوں کو جب کبھی دفنا گئے
بس اُنہی کا نام زندہ رہ گیا
کام اوروں کے جو یہاں آ گئے
کس سے کہیئے داستانِ غم ہلالؔ
لے کے سب اپنے فسانے آ گئے

لب پہ وفا کی لائی بات
بے مطلب سی پائی بات

نظروں میں تصویر رچی
جب بھی منہ میں آئی بات

جب جب تم ملنے آئے
سوچ سمجھ کر کھائی بات

بزم تری میں کیا کہتے
بنتی اک رسوائی بات

سوچ کی گھڑیاں بیت گئیں
ایسی کچھ بن آئی بات

چھوڑ ہلالؔ زمانے کی
راس نہ کوئی آئی بات

غم تو آخر تیرا غم ہے کیا کہیے
شور مچا کیوں نہ رندوں کا یہ محفل ہیں

ہم کو بھی اے ناصح عشق نہ کرنا تھا
وہ جسکو ہم اپنا خاص سمجھتے تھے

پھر وہ سفینہ آن لگا ہے بیچ بھنور
اہرمنوں کی بستی میں ہم خوب رہے

روز بنا اک عہد محبت کرتے ہیں

لب پہ تبسم آنکھ بھی نم ہے کیا کہیے
ساقی گم پیالے ہی گم ہے کیا کہیے

یہ جو اپنا دم ہیں دم ہے کیا کہیے
عام ہے نہ زیادہ خاص وہ کم ہے کیا کہیے

اور وہ آندھی پھر برہم ہے کیا کہیے
یزدانوں میں اب بھی دم ہے کیا کہیے

روز نئے فتنوں کا غم ہے کیا کہیے

پاؤں شل اور منزل دور بلا کی بھی
رستہ بھی پُر پیچ و خم ہے کیا کہیے!

دل میں جب تک اُن کے غم پنہاں رہے
ہم نہ پابندِ غمِ دوراں رہے

دردِ دل جو بے بہا اکسیر ہے
اِک یہی کم ہو تو کیا انساں رہے

جس قدر بھی ہوں ہلاکت خیز یاں
ہم رہیں کشتی رہے طوفاں رہے

شرفِ آدم کی سُنی تھی داستان
ہم مگر جب تک رہے ارزاں رہے

ہم نے مانا قیدِ اُلفت سخت ہے
پر سدا آباد یہ زنداں رہے

زیست اپنی زیست ہے جبتک ہلال
آئینہ آئینہ صفت حیراں رہے

کِس طرح کٹتے ہیں دن رات تجھے کیا معلوم
دل کی بستی کے یہ حالات تجھے کیا معلوم

ہر قدم تیرِ ستم، زخم الم، یادِ صنم
کیسے ہوتے ہیں یہ صدمات تجھے کیا معلوم

گردشیں دہر کی تھم جائیں کہاں، کیا کہئے
کیا ستم ڈھائیں وہ لمحات تجھے کیا معلوم

ہم نے مانا کہ یہ مسجد نہیں، میخانہ ہے
یہ جو زاہد ہوئی برسات تجھے کیا معلوم

عمر گذری اسی اُمید پہ تم آؤ گے!
وہ شبستان یہ سیہ رات تجھے کیا معلوم

جن سے دنیا کو سمٹنے کی ملی ہے ترغیب
فاصلِ دل ہیں وہ آلات تجھے کیا معلوم

اپنی دیوانگیٔ عشق و محبت کی قسم
اے ہلالِ حسن کے خطرات تجھے کیا معلوم

کس نے کھینچی اسیر آب ہیں آنسو
چاہیں تو سیلاب ہیں آنسو

خوشیوں میں بھر آئیں آنکھیں
غم کی آب و تاب ہیں آنسو

شب ہجراں کی تاریکی میں
پلکوں پہ مہتاب ہیں آنسو

موتی جان کے خوب بہائے
دیکھا تو سیماب ہیں آنسو

دریا بھی ہم ہی نے بہائے
اب جیسے نایاب ہیں آنسو

تم آؤ برسات لگے گی
بہنے کو بے تاب ہیں آنسو

جو شکوے الفاظ نہ کہہ لیں
ان کی ایک کتاب ہیں آنسو



آؤ جانِ جان کی باتیں کریں
شوقِ بے پایان کی باتیں کریں

روتے روتے ہی کٹی ہے ساری رات
طرب کے سامان کی باتیں کریں

کچھ تو کانٹوں میں اُلجھ کر دیکھ لیں
کچھ گُلِ خنداں کی باتیں کریں

چاند تاروں کا ابھی سے فکر کیا
دل جلے انسان کی باتیں کریں

فصلِ گل میں گل بداماں جو بنے
کچھ اُسی مہمان کی باتیں کریں

زندگی جس عشق سے تعبیر ہے
آج اُس احسان کی باتیں کریں

یوں سکوں نا آشنا کب تک ہلالؔ
کچھ تو اطمینان کی باتیں کریں

آلامِ روزگار کا مارا ہوں دوستو
ظلمت کدوں کا ایک سہارا ہوں دوستو

یہ اُلجھنیں یہ حسرت و آلام کا ہجوم
گردابِ غم میں اپنا کنارا ہوں دوستو

غم پر بھی اپنے یونہی اگر مسکرا دیا
اس پر بھی خلق کو نہ گوارا ہوں دوستو

اوروں کیلئے ہے اگر انعام زندگی
جیتے ہیں وہ تو خیر! میں ہارا ہوں دوستو

دنیا نے جن کا نام رکھا حادثاتِ غم
دیکھو ہلال اُن کا اشارا ہوں دوستو

تجھ سے نگاہ ملی ہے جب سے
رشتہ ٹوٹا عیش و طرب سے
میری ہستی تیری محفل
آس لگائے ہوں میں کب سے
مخلص کون ہے اس دنیا میں
دل اپنا مایوس ہے سب سے
رشتے جھوٹے، دنیا جھوٹی
خوش فہمی میں تھے ہم کب سے
شمع تمنا کر کے روشن
گذرا اُن کی ہجر کی شب سے
اُف تیری یہ اُلجھی زلفیں
دل کے گرد یہ پیچ عجب سے
اس نے اور ہلال دیا غم
باز آیا میں بزمِ طرب سے

محفلِ دل ہے سونی سونی کوئی پیارے بات کرو
چاند چھپا وہ سحر ہوئی اور ڈوبے تارے بات کرو

جب بھی تمہارا نام لیا جیبوں کی کلیاں پھول بنیں
تم نے ٹھکرا کر لیکن توڑے یہ سہارے بات کرو

دستِ خزاں نے گلشن ہستی کو اب تو ویران کیا
موجِ بہاراں بن جاؤ مہکاؤ نظارے بات کرو

اک لمحہ بھی اطمینان کا سانس نہ لینے پائے تھے
دکھ اور غم کے ہر لمحے نے خنجر مارے بات کرو



کبھی اُنکو مرے دل کی خبر ہوتی تو اچھا تھا
مری اک آہ اتنی با اثر ہوتی تو اچھا تھا

فلک بیچارگیاں کیوں جب سکتے ہیں ہیں نالے
انہیں کی بے بسی پیش نظر ہوتی تو اچھا تھا

یہ کیا آنا ابھی آئے ابھی جاتے ہو بیٹھو بھی
شب ہجراں بھی ایسی مختصر ہوتی تو اچھا تھا

تمہاری ہر ادا میں رنگ بھرتا استعارہ دل کا
تخیل میں جو وسعت اسقدر ہوتی تو اچھا تھا

ہلاک اپنی جوانی تو کٹی ہے تلخ کامی میں
یہ عمر آخری اچھی بسر ہوتی تو اچھا تھا



جس کا حسن ایمان نہیں ہے
لگتا ہے انسان نہیں ہے

جینا اس دور میں مشکل
مرنا بھی آسان نہیں ہے

تیری یاد میں ڈوبے دل کو
کہیں غم دوراں نہیں ہے

لمحہ بھر ہی کاش وہ آئیں
اور کوئی ارمان نہیں ہے

دردِ محبت جس نے بخشا
کیا اس کا احسان نہیں ہے

اس کی چاہت کیا ہے یارو
درد تو ہے درماں نہیں ہے

کیا وہ موتی قدر کے لائق
جو زیب داماں نہیں ہے

جس کا دل ہو درد سے خالی
کچھ بھی ہو انسان نہیں ہے

آنکھ بچا کر یوں مت گذرو
اتنا ہلال انجان نہیں ہے



اپنی دنیا آنسو آنسو اُن کا عالم گلشن گلشن
ہم نے اپنی بستی کو آگ لگا دی خاک ہوا ہے دل کا خرمن
عرش پہ بیٹھک لگانے والو فرش نشینوں کو بھی دیکھو
اک اک دانے کی خواہش میں یہ دنیا ہے جن کا مدفن
نگر نگر ویرانی ہی ہے بستی بستی آگ لگی ہے
امن امن کی ہانکنے والے خون کے پیاسے امن کے دشمن
غنچے چٹکے کلیاں مہکیں سرو و سمن نے رنگ نکھارا
گلشن میں ہے فصلِ بہاراں پایا ہے ہر محبوب کا جوبن
کوئی ہے شہرت کا بندہ کوئی ہے دولت کا بندہ
ایک ہلال نے خوب بنایا گوشۂ خلوت اپنا مسکن



چراغِ آرزو بجھنے نہ پائے
غمِ موہوم ہیں دل سے لگائے

جفا ہو یا وفا اے کینہ پرور
بہر صورت رہو دل میں سمائے

حقیقت حسنِ عالم کی نہ جانی
بہت دھوکے دلِ ناداں نے کھائے

سرور و شوق سے ہوں چند باتیں
غموں کا کیا یہ اپنے وہ پرائے

غمِ دل ہو کہ آلامِ زمانہ
چھپے کب تک کوئی کچھ بھی چھپائے

ہزاراں انساں بنے انساں تو دیکھو
بمشکل دو [illegible] قسمت میں آئے

آتشِ غم نے جہانِ دل جلا کر رکھ دیا
ہم نے اسکو پھر بھی سینے سے لگا کر رکھ دیا

آدمی نے آدمی پر ہر جگہ ہر عہد میں
دوستی کی آڑ میں خنجر چلا کر رکھ دیا

خوب ہے آکاش کے تاروں پہ ڈالی ہے کمند
دیکھ اس دھرتی پہ کتنوں کو رُلا کر رکھ دیا

ہم ہنسے تو جیسے ساری بزم تھی بزمِ طرب
روئے ہم تو ایک دنیا کو رُلا کر رکھ دیا

آدمیت اک معمہ ہے ہمارے دور میں
من کے پردے میں دُنیا کو جلا کر رکھ دیا

اک طرف آرامِ دُنیا اک طرف بس اُنکا غم
وہ تو آسان تھا ہلال اس نے مٹا کر رکھ دیا

یہ جہاں اک سراب ہے پیارے
زیست کیا؟ ایک خواب ہے پیارے

جس کا مخفی ہے اوّل و آخر
زندگی وہ کتاب ہے پیارے

دیکھ زاہد وہ ابر جھوم آیا
لے یہ جام شراب ہے پیارے

کارگر ہو گئی نظر تیری
دل کی بستی خراب ہے پیارے

آ کہ ظلمت میں وہ رُخِ تاباں
رشکِ صد ماہتاب ہے پیارے

تیری فرقت میں رو کے روتے ہلال
کھو چکا آب و تاب ہے پیارے

تم بھلے ہم بُرے ہی سہی
کچھ تو نسبت ہے دور سے ہی سہی

زیست سے خوف یوں نہ کھائے دل
جینے میں لاکھ مرحلے ہی سہی

خون آشام ہے یہ عہدِ جدید
شکل میں اسکے آسرے ہی سہی

تیرے کوچے میں سب ہی ملتے ہیں
مختلف اپنے راستے ہی سہی

ترکِ راہِ طلب ہے آل غلط
زندگی بھر یہ مشغلے ہی سہی!



ہائے اپنی بھی کیا جوانی ہے
یاس و حسرت کی اِک کہانی ہے

اے شبِ وصل یوں نہ جلد گذر
آج کیا کیا نہ دل میں ٹھانی ہے

اشک آنکھوں میں اور دل میں درد
شبِ فرقت ہمیں سجانی ہے

نہ تھمو آنسوؤ بہے جاؤ
آگ غم کی ہمیں بجھانی ہے

اُف یہ تیرا شباب اے کافر
موسمِ گل بھی پانی پانی ہے

دامنِ زیست تھام اے ناداں
پھول مہکے صبح سہانی ہے

کوئی کیونکر ہلال سمجھے گا
روح فرسا غمِ نہانی ہے

تم بھی آؤ کہ آ رہی ہے رات
سوتے ارمان جگا رہی ہے رات
میرے ایوانِ آرزو کے چراغ
خونِ دل سے جلا رہی ہے رات
دیکھ کر تیری کالی زلفوں کو
دامن اپنا بچھا رہی ہے رات
غم کے مضراب سے سکوں پرور
سازِ ہستی بجا رہی ہے رات
فتنۂ شوق ہم کریں برپا
سارے فتنے سلا رہی ہے رات
میری تقدیر کی سیاہی پر
کس قدر رشک کھا رہی ہے رات
چن کے موتی یہ میرے اشکوں کے
آسماں کو سجا رہی ہے رات

لاج رکھنا ہلالِ ہمت کی
وہ آسماں میں جا رہی ہے رات

شرارِ محبت بجھاؤ تو جانیں
نظر سے گئے دل سے جاؤ تو جانیں

جنونِ غمِ عشق ہے انتہا پر
یہ حالت ہو اور تم پلاؤ تو جانیں

جو تصویر ہم پیش کرتے ہیں غم کی
جہاں بھر میں کوئی دکھاؤ تو جانیں

بجا ہے کہ بھولوں میں اُلفت کو ناصح
لگا کر کہیں دل اُٹھاؤ تو جانیں

ہلالؔ جب غمِ یار کا سامنا ہو
غمِ دہر میں ڈوب جاؤ تو جانیں



رات آئے وہ نہ آئیں تو غزل ہوتی ہے
نیند آنکھوں سے چرائیں تو غزل ہوتی ہے

غمِ ہستی، غمِ جاناں، غمِ دل اور غمِ جاں
پئے بہ پئے تیر چلائیں تو غزل ہوتی ہے

حسرتیں جن کا گلا گھونٹ دیا تھا ہم نے
کسی پہلو ابھر آئیں تو غزل ہوتی ہے

کلفتیں گھیر لیں اور میں رہوں کھویا سا
انگلیاں لوگ اٹھائیں تو غزل ہوتی ہے

چاندنی مہکی ہو میخانے سے آئے آواز
دل میں پیمانے سمائیں تو غزل ہوتی ہے

وہ ہمیں یاد نہ آئیں تو قضا آتی ہے
ہم انہیں یاد نہ آئیں تو غزل ہوتی ہے

اپنا ایمان فٔ عشق و جنوں حاصل زیست
یوں اگر عمر بتائیں تو غزل ہوتی ہے

کہئے صحرا کہ گلستاں کہئے — کچھ مرے دل کو جانِ جاں کہئے
سب نے سُن کر سُنا دیا سب کو — اب کسے اپنا رازداں کہئے
ذکرِ اُلفت ملا صحیفوں میں — سچ سمجھئے کہ داستاں کہئے
یوں تو پھرتا ہوں میں اکیلا ہی — غم کا چاہے تو کارواں کہئے

تم نہ اتنے ہراساں تھے ناداں
دل میں کیوں غم رکھے نہاں کہئے



حسن پابندِ جفا ہو جیسے عشق پھر بھی نہ ہو خفا جیسے
ایسے جیتے ہیں جہاں میں ہم لوگ زندگی کوئی سزا ہو جیسے

درد و غم لطف و کرم کے بدلے یہ بھی اک طرزِ وفا ہو جیسے
بہکی بہکی تری باتیں واعظ جام بھر آج پیا ہو جیسے

دیکھنا آج باندازِ دگر تجھ کو بھی خوفِ خدا ہو جیسے
حسن والوں کی پرستش یوں کی ہر صنم اپنا خدا ہو جیسے

اس طرح اوروں کے غم اپنائے ہر ستم حصہ مرا ہو جیسے

بادپیما کبھی ہوتا تھا ہلال
اب مگر آبلہ پا ہو جیسے!

کس سمت اٹھ رہے ہیں قدم کچھ نہ پوچھیے
ڈھلتے ہیں عشق کتنے ستم کچھ نہ پوچھیے

زاہد ہی جانے فرق گناہ و ثواب کا
رندوں پہ جامِ جم کا کرم کچھ نہ پوچھیے

ہوتا ہے رنگ دل کے چمن کا لہو لہو
آغازِ صبح گل کا صنم کچھ نہ پوچھیے

اُٹھی نگاہ جس طرف امیدِ شوق سے
دامن کشی نگارِ الم کچھ نہ پوچھیے

آئینہ حیات کی یہ دل فریبیاں
ہر اک تری ادا کا بھرم کچھ نہ پوچھیے

آغازِ عشق ہی میں ہوئے گم ہلالِ عجم
انجام محبت کی قسم کچھ نہ پوچھیے

اب تمہارا بھی اعتبار اُٹھا
زندگی لے مجھے تو مار اُٹھا

زاہد تشنہ لب پیا اُٹھی
بزم سے میں ہی شرمسار اُٹھا

لاکھ بہلا دیا مچل بیٹھا
تیرا غم دل میں بار بار اُٹھا

ایسی کروٹ بدل گیا عالم
آدمیت کا ہی اعتبار اُٹھا

پھر تجھے نامہ لکھ رہا ہوں میں آج
دل میں یادوں کا پھر غبار اُٹھا

یاد پھر آ گئے مے و ساقی
پھر کوئی تشنہ میگسار اُٹھا

ہم ہی اس در سے نامراد آئے
ورنہ ہر شخص کامگار اُٹھا

دشمنوں کا ملال شکوہ نہ تھا
دوستوں کا بھی اعتبار اُٹھا

سینکڑوں غم ہیں مسکراہٹ میں
جوں خزاں فصلِ گُل کی آہٹ میں

جو مزہ سادگی میں دیکھا ہے
وہ نہ دیکھا کبھی بناوٹ میں

ہے ہر اک شے میں اتنی آمیزش
آدمی کھو گیا ملاوٹ میں

گھپ اندھیرا ہے چار سو یارو
عالمِ نو کی جگمگاوٹ میں

خود کو بھولا خدا کو بھولا ہے
یہ اثر ہے تری لگاوٹ میں

زخم کھا کر جو مسکراتے ہیں
موت ہے غم کو اُن کی آہٹ میں

سُن حقیقت ہلالؔ دنیا کی
لاکھ غم ایک مسکراہٹ میں

چھلکتا تیری آنکھوں کا وہ پیمانہ بھی دیکھا ہے
مگر در بستہ تیرا آج میخانہ بھی دیکھا ہے

ترے کوچے میں جو دل بستگی ہے وہ کہاں ناممکن
حرم بھی ہم نے دیکھا ہے او بُت خانہ بھی دیکھا ہے

نہ اپنا دل سلامت وائے اپنی جان سلامت ہے
کہیں مقتل کو جاتے کوئی دیوانہ بھی دیکھا ہے

سیہ زلفوں کے سائے ابر بن کر چھا گئے جس دم
شکستِ توبہ اور ہاتھوں میں پیمانہ بھی دیکھا ہے

کبھی اُلفت کے غم کی سختیاں دل پر گراں گذریں
نثارِ شمع سوزاں ہم نے پروانہ بھی دیکھا ہے

کہا کس نے کہ عقل و ہوش کا ہونا ضروری ہے
بڑا عاقل زمانے بھر میں دیوانہ بھی دیکھا ہے

بہاروں کو جو ترسا اور خزاں جس میں ٹھہرے ہوئے
ہلالؔ اس شہرِ دل سا کوئی ویرانہ بھی دیکھا ہے

جب اپنا دل تھا مسرور
وہ دن پہنچے کتنی دور

لوٹ لیا تم ہی نے دل
ہم رسوا اور تم مشہور

کون سنے روداد وفا
کس کو کون کرے مجبور

بھیک وفا کی مانگیں ہم
وہ جو دیں ہم کو منظور

مارا کرب و اذیت نے
راہ میں بیٹھے تھک کر چور

عشق سے ہمت ہار نہ لال
ظلم و ستم کا کیا مذکور



ہوا فصلِ خزاں کی آرہی ہے
مرے دل کی کلی مُرجھا رہی ہے
ذرا ہشیار رہنا اہلِ کشتی
بھنور میں ناؤ پھر منڈلا رہی ہے
کہیں پھر پیرزن آنے نہ پائے
وہ آہٹ کوہکن کی آرہی ہے
مری خامی چورا ہے پر کھڑی ہے
صدائے سنگ باری آرہی ہے
پھر اُٹھے زلف کے گھنگھور بادل
کہیں بجلی گرائی جا رہی ہے
ہلال اپنے غموں پر یوں ہے نازاں
کہ دیوی عیش کی شرما رہی ہے

بھلا کس نے یہ رونے کی گھڑی ہے
جگر کے داغ دھونے کی گھڑی ہے

ہوئے اندیشہ ہائے دامن تر
چلو موتی پرونے کی گھڑی ہے

نئے عنواں تراشو زندگی کے
حقیقت کو سمونے کی گھڑی ہے

رہے شب بھر مرے ہمدم پریشاں
سُلا دو ان کو سونے کی گھڑی ہے

وہ منظر دیدہ حیراں نہ دیکھا
نہ پلنے کی نہ کھونے کی گھڑی ہے

بکھرنے پھر لگی وہ کاکلِ شب
خرد دانستہ کھونے کی گھڑی ہے

ستم ایجاد ہو مانا مگر اب
کرم آمادہ ہونے کی گھڑی ہے

ہلال آب خُمِ پیرِ مغاں سے
غموں کے داغ دھونے کی گھڑی ہے

گو زخمِ غم کی بڑھتی ہے شدّت کبھی کبھی
ہوتی ہے دردِ عشق میں لذّت کبھی کبھی

منزل کو چل پڑے ہو ہمیں بھول کر مگر
تڑپائے گی ہماری ہی فُرقت کبھی کبھی

صحنِ چمن کے پھول ہی رنگین نہیں حضور
ٹپکے ہے نوکِ خار سے رنگت کبھی کبھی

ایسے بھی جانگداز مراحل گزر گئے
کرنے لگے ہیں ترکِ محبّت کبھی کبھی

رندوں کی بزم فصلِ گُل ساقی ہو خُم بدوش
یوں بھی ہلال جاگی ہے قسمت کبھی کبھی!



دُھندلے دُھندلے سے جو ستارے ہیں
شب گذاروں کے یہ سہارے ہیں

صرف چھلکے ہوئے نہیں یارو
جام خالی بھی ہم کو پیارے ہیں

جو کھٹکتے ہیں نیشتر بن کر
ایسے بھی کچھ حسین نظارے ہیں

طعنہ زن جو ہیں میرے شعروں پر
درد نا آشنا بچارے ہیں

اب وہ رنگین صحبتیں بھی نہیں
ہم ہیں اور زخمِ دل ہمارے ہیں

روئے تاباں خرامِ سروِ قداں
خوابِ رنگیں کے نظارے ہیں

ہیں وہی دن ہماں حاصلِ زیست
اُن کی چاہت میں جو گذارے ہیں

"زندگی موتیوں کی ڈھلکتی لڑی زندگی رنگِ گُل کا بیان دوستو"
دیکھئے کب ہو صحرا سے اپنا گذر آج جو بن پہ ہے گلستان دوستو

ہیں اندھیرے اُجالوں سے اُلجھے ہوئے روشنی سُرخرو ہو یہ ممکن بھی ہے
ظلمتوں کا چلن عام اتنا ہوا نور کا ہم سے کیا ہو بیاں دوستو

دن تو شیخ و برہمن کی تکرار میں خوب تڑپا گئے خوب اُلجھا گئے
چاندنی چھٹ رہی ہے چلو اب ذرا وہ بُلاتے ہیں پیرِ مغاں دوستو

موسمِ گُل مبارک ہو سب کیلئے سبزہ سبزہ بچھی ہیں وہ رنگینیاں
پھول ہیں زیبِ کُنجِ چمن ہم مو خار ہیں زینتِ گلستاں دوستو

آبلہ پا ہوئے دل شکستہ ہوئے ایسے گھبرا چلے راہ میں آ گئے
اپنے کندھوں سے چاہا اُتاریں کہیں زندگی کا یہ بارِ گراں دوستو

بزمِ رنگ و طرب میں وہ مصروف ہیں بات اب درد و غم کا مداوا کرے
کوئی ہمدم نہ ہو تو ذرا یہ کہو کون سمجھے گا دردِ نہاں دوستو

سوچتے تھے ہلالؔ اپنا کوئی نہیں جن پہ تکیہ تھا وہ چھوڑ کر چل دیئے
دھڑکنیں دل کی کہتی ہیں لیکن ابھی اپنا کوئی یہیں ہے نہاں دوستو

ان کی سمت سے آیا پتھر — تھا یہ پھول یا کوئی پتھر
ہاتھوں میں سب لے آئے ہیں — کوئی مارے پہلا پتھر
زیست رواں ہے گرتے پڑتے — کون بنے رستے کا پتھر
سیپی اک اُگلی موتی نے — دیکھا لعل اُٹھایا پتھر
شہر جنوں ہے اپنی بستی — سب کا اپنا اپنا پتھر
درد کے مارو غم کے پالو — کر لو اپنا کلیجا پتھر
خنک ہوائیں آئیں کیسے — شاید پھر وہ اُکھڑا پتھر

کون ہلالؔ تجھے سمجھائے
مول ہے اس دنیا کا پتھر

سعیِ پیہم رائیگاں ہے آج بھی آؤ چلیں
غم رُبا اب تو نہیں کوئی خوشی آؤ چلیں

یہ ستم یہ قہر سامانی یہ رنگ بے دلی
موت کا نقشہ ہے اپنی زندگی آؤ چلیں

اب اڑاتا ہے ہنسی انسان کی اپنا ضمیر
وحشتوں کا ہے نمونہ آدمی آؤ چلیں

آس تھی سو مٹ گئی زخموں پہ زخم آتے رہے
ہے وفاؤں کا یہاں بدلہ یہی آؤ چلیں

کون اپنوں کا سہارا غیر کا کیسا گلہ
دوستی کی آڑ میں ہے دشمنی آؤ چلیں

غم کا پہلے تھا مداوا جامِ مے لیکن ہلالؔ
اب تو غم انگیز ہے خود میکشی آؤ چلیں



دل کی محفل سجا کہ رات کٹے ۔۔۔ کوئی نغمہ سُنا کہ رات کٹے
دل کی قندیل سونی ہے ۔۔۔ نور بن جگمگا کہ رات کٹے

محتسب ایک بس یہی اک جام ۔۔۔ ساقیا پھر پلا کہ رات کٹے
سب کے دیکھے یہاں پہ دامن تر ۔۔۔ تو بھی پھیلا ذرا کہ رات کٹے

روزنِ دل تو وا کرے کوئی ۔۔۔ آئے تھوڑی ہوا کہ رات کٹے
روح فرسا محیط سناٹا ۔۔۔ کوئی طوفان اٹھا کہ رات کٹے

اب اندیشۂ دماغ رہنے دے ۔۔۔ نغمۂ دل سنا کہ رات کٹے

اہلِ عشرت ہلال خفتہ ہیں
مت جگا مت جگا کہ رات کٹے



مجھ کو

راستے کا مجھے پتھر جان کر
کیوں لگائی تم نے ٹھوکر جان کر

شعلہ زن آئی نظر ہر موجِ آب
ہم بڑھے جب جب سمندر جان کر

اب نہ روکو ہم کو جانے ہی دو
ہم چلے ہیں سوئے محشر جان کر

اب تو منزل پر پہنچا ہے ضرور
مجھ کو مت ٹالو سکندر جان کر

رہزنوں کی ہر قدم پر لے ہلال
ہم نے کی تقلید رہبر جان کر

اپنے دل کے زخم دکھاتا لیکن اک مجبوری ہے
دنیا کو ہمراز بناتا لیکن اک مجبوری ہے

ٹھیس لگی ہے دل کے آئینے کو سنگِ حقیقت سے
افسانوں کی اوٹ میں جاتا لیکن اک مجبوری ہے

درد کے مارو اب اپنا خود آپ کہیں درمان کرو
میں بھی تمہارے کام آجاتا لیکن اک مجبوری ہے

موجِ ہلاکت خیز سے ٹکرائی ہے کشتی خود میں نے
یوں تو ساحل پہ لے آتا لیکن اک مجبوری ہے

میری خشک مزاجی پر یہ طنز تمہارا بے جا ہے
پیتے پیتے ہوش گنواتا لیکن اک مجبوری ہے

میں بھی ہوں انسان مجھے عیش و طرب کی خواہش تھی
دنیا کے دکھ کیوں اپناتا لیکن اک مجبوری ہے

عارضِ رنگیں، زلفِ پریشاں اور عنایت بار نظر
بھول کے ان کو یوں بھلاتا لیکن اک مجبوری ہے

چہرے پر یاں خول چڑھائے پھرتا ہے ہر شخص ہلال
اصلی چہرہ کون چھپاتا لیکن اک مجبوری ہے

چھوڑ اے دل گلستاں کی گھر کی بات
اب تو ہیں ہوں اور دشت و در کی بات

جان دیکر آن ہم رکھتے ہیں یار
شوق والوں سے نہ پوچھو سر کی بات

دار ہے اہلِ جنوں کا مشغلہ
واعظوں پر چھوڑیئے منبر کی بات

راستے منزل کی جانب خود چلیں
دوستو چھوڑو کسی رہبر کی بات

کب تلک یہ خوابِ غفلت کب تلک
چھیڑو یارو پھر کسی محشر کی بات

منجمد ہونے نہ دے اپنا لہو
تیر کی سن بات کر خنجر کی بات

گریہ و آہ و فغاں کب تک ہلال
اب کہا مظلوم کو ٹکر کی بات

ہو گئی جب سے مقدّر بے کسی میرے لیئے
تم نے بھی جائز سمجھ لی بے رُخی میرے لیئے

روح پرور اے نظارو گل بداماں منظرو
کس خطا پر نا روا ٹھہری خوشی میرے لیئے

آج میری موت کے خواہاں وہی دمساز ہیں
جن کے ہونٹوں پر دعائیں تھیں کبھی میرے لیئے

میں بھلا آغاز سے گھبراؤں کیوں یہ جان کر
امتحان کتنے ہی باقی ہیں ابھی میرے لیئے

تیر جتنے غیر کے ترکش میں تھے جھیلے ہلالؔ
وقف کی اپنوں نے اب نشتر زنی میرے لیئے



ابھی اس میں شعورِ تازگی ہے خزاں دیدہ اگر دل کی کلی ہے
چلے تھے دور تک جس کے سہارے اچانک وہ خدائی چھپ گئی ہے
ہے دل میں ارماں داستانِ غم خوشی اتنی کہ چہرے پہ سجی ہے
گرائے محل خوابوں کے بنا کر عجب اپنا یہ طرزِ زندگی ہے
الٰہی خیر! وہ افسوں نظر کا کہ دل نا آشنائے ساحری ہے
ہے آتش زیرِ خاکستر خوشی نہ سمجھو ہمدمو بالکل بجھی ہے
مقدر ہے شکستِ اہلِ کینہ کہ مسلک اپنا صلح و آشتی ہے
ہلال اس رشکِ گُل کو آج دیکھا
دلِ ویراں میں اک ہلچل مچی ہے

وہ آئیں تو اتنا ہو گا — زخم پرانا تازا ہو گا
یوں تو ہم انجان ہیں ساقی — کہتے ہو تو دیکھا ہو گا
یہ جذبات کی باتیں آگے — اپنا اپنا رستا ہو گا
شہر کے لوگو جانے دو اب — گلیوں کا رکھوالا ہو گا
تم سے آنکھ لڑانے والا — دشمن اپنی جان کا ہو گا
ساتھ چلے تھے میں کیوں بھٹکا — تم نے رستہ بدلا ہو گا
ہم لوگوں کا کون ٹھکانا — کعبہ یا بت خانا ہو گا
زلفوں کی زنجیر سمیٹو — کوئی دل آوارا ہو گا

وقت ہلال اڑا جائے ہے
اب تو کر جو کرنا ہو گا



مجھ سے کیا اُمیدِ کرم کی میں خود غم کا پالا ہوں
کشتی ہے طوفان کی زد پر موجوں کا رکھوالا ہوں

دنیا میں خوشیاں بھی غم بھی اپنے حصّے میں آئے
غم اپنائے خوشیاں بانٹیں میں ایسا دل والا ہوں

ترکِ تعلق پر آؤں تو اندھیاروں کا سایہ ہوں
محفل آرائی ہے شیوہ میں ہر طور نرالا ہوں

مہک تمہارے وصل کی اب کبھی میری رگ رگ میں پنہاں
تیرے دل کی کیا جانوں خوشبو یا ایک ہمالا ہوں

جادۂ عشق پہ لافانی نقشِ قدم ہرلال وہ میری ہے
دشمن چاہے لاکھ مٹائیں میں کب مٹنے والا ہوں



دل کی بستی میں یارو
غم کا کوئی کال نہیں
عشق کو آساں مت سمجھو
یہ بازاری مال نہیں
جادہ جادہ منزل ہے
سیدھی اپنی چال نہیں
چہرہ آخر چہرہ ہے
چہرہ دل پر ڈال نہیں
عشق کی دنیا میں یارو
حسن کے ماہ و سال نہیں
عزم کا پیکر تھا ہی کب
جواب آج ہلال نہیں

دنیا پہ ہیں فدا تھا ابھی کل کی بات ہے
ہر ذرہ دلربا تھا ابھی کل کی بات ہے

ہر ہر قدم پہ موت کے سائے ہیں پرفشاں
جینے کا حوصلہ تھا ابھی کل کی بات ہے

منہ پھیر کو وہ آج مجھے دیکھ کر چلا
سائے کو پوجتا تھا ابھی کل کی بات ہے

تاریکیوں کا ایک سمندر جو علم ہے
مخزن وہ نور کا تھا ابھی کل کی بات ہے

ٹھکرا رہے ہیں پائے حقارت سے وہ حسیں
جن کا میں دیوتا تھا ابھی کل کی بات ہے

بے برگ و بار کشتِ حیاتِ ہلال ہے
گلپوش راستہ تھا ابھی کل کی بات ہے

وہ عشق نے دی ہے بیقراری کہ جس پہ صبر و قرار صدقے
خزاں بھی تجھ کو ہے یوں گوارا کہ روپ ایسا جس پر بہار صدقے
عطا ہوئیں مستیاں کچھ ایسی کہ جام و مینا کا نام بھولے
نگاہِ جاناں پہ ساری دنیا کے میکدوں کا خمار صدقے
چشم نرگس، گلاب عارض، زبان سوسن، سحاب زلفیں
مری تمنا مجسم بہار تجھ پہ ہزار باغ و بہار صدقے
بھلا مری زندگی ہے کیا شے بنا ترے یہ وجود کیا ہے
تری اداؤں کا عکس ہی ہوں میں تجھ پہ صدقے ہزار صدقے
شبوں کو تڑپائے یاد تیری دنوں کو تیرا خیال مجھ کو
مرے پریشان روز و شب پر سکوں کے لیل و نہار صدقے
جہاں جہاں سے گزر ہو تیرا حسیں راہوں پہ چلنے والے
غبار پہ یہ جبیں تصدق وفا پہ میرا وقار صدقے
جمال اس کا ازل سے اب تک ہے ماورائے ظن و تخیل
ہلال بے رنگ و بو چمن پر ہزار رنگ و نکھار صدقے

سامنا ہے پتھروں کا راہ میں
ہم سفر ہے بس اندھیرا راہ میں
دکھ بھری خوشیاں ہیں دلکش حادثے
دیکھ آئے ہم بھی کیا کیا راہ میں
پھول بن کر جو کھلا تیرا خیال
پتیوں کی طرح بکھرا راہ میں
راہبر کا روپ دھارے راہزن
ہم پہ یہ محشر بھی گذرا راہ میں
ڈھلتے سورج کو لئے ہر اک شجر
اپنے قد کو ناپتا تھا راہ میں
راہیِ منزل کی جانب تھا ہلالؔ
ان کا ہر نقشِ کفِ پا راہ میں

پُر خار رہگزر ہے ذرا دیکھ کر چلو
باقی ابھی سفر ہے ذرا دیکھ کر چلو
طوفاں بدوش آندھیاں انجان ناخدا
ساحل نہیں بھنور ہے ذرا دیکھ کر چلو
تاریکیوں میں ہر قدم اُٹھنا تھا بے خطر
ہونے کو اب سحر ہے ذرا دیکھ کر چلو
تنہا روی میں خوف نہ کھٹکا نہ ڈر رہا
اب کوئی ہم سفر ہے ذرا دیکھ کر چلو
عزمِ سفر ہے عشق کی جانب تو راہ میں
سبزہ نہیں شرر ہے ذرا دیکھ کر چلو
وہ دن گئے ہلالِ نظر تھی بہار پر
ہر شئے خزاں اثر ہے ذرا دیکھ کر چلو



برگِ گل

فصلِ گُل بھی لے ہے جوئے آب بھی ہے
محفلِ نغمہ و شراب بھی ہے
آؤ ایسے میں اب تو آ جاؤ
جوش پر بے وفا شباب بھی ہے

جام چھلکا گئیں تری آنکھیں
ہوش پر چھا گئیں تری آنکھیں
آہ اُٹھ کر گئی ہے جب سے تو
خون رُلوا گئیں تری آنکھیں

میں ہوں تنہا، رات ہے آواز دو
جوششِ جذبات ہے آواز دو
کیوں ہے ساقی آج ہی محفل سے دور
میکشو! برسات ہے آواز دو

مقدّر اپنا جو چاہو بنا لو
خوشی بھی اور غم بھی ہے جہاں میں
کسی نے بھر لیا پھولوں سے دامن
ملے کانٹے کسی کو گلستاں میں

آہ اب کی بہار بھی گذری
ہم سے پر بے نیاز ہی گذری
ملتے تھے ہم شباب کی کلیاں
تازہ ہوتیں اگر گئی گذری

کچھ نہ پوچھو جہاں کی حالت کا
علم انسان کی جہالت کا
چھل کپٹ اور قتل و غارت کو
نام دلکش دیا سیاست کا

مبارک اے بہارو مسکرانا
چمن کے ذرّے ذرّے کو سجانا
تمہارے پاس کانٹوں کی نہیں جا
مجھے بخشو غموں کا یہ خزانا

تیری زلفیں اگر اُلجھ جائیں
کالے بادل جہاں پہ چھا جائیں
اک چمن ہو شگفتہ کلیوں کا
ہونٹ تیرے کبھی جو مسکائیں

بہار آئی کہ پھر غنچے کھلے ہیں
نواسنجانِ گلشن آ ملے ہیں
خزاں دیدہ مرا دل کھل نہ پایا
وہی میں ہوں غموں کے سلسلے ہیں

نہیں ہے کوئی ہمدم اس جہاں میں
بتاؤں کس کو یہ رازِ نہاں میں
مبارک تم کو صحرا کے گل تر
ملے کانٹے ہی مجھ کو گلستاں میں

محبت کے گنہگاروں میں ہم ہیں
ستم کے ظلم کے ماروں میں ہم ہیں
مگر اچھے ہیں اُن سے جو ہیں نازاں
کہ دنیا کے دل آزاروں میں ہم ہیں

کب تلک پائمال رہنا ہے
کب تلک خستہ حال رہنا ہے
فیصلہ کر اُٹھو یہ مظلومو
یوں نہ غم کی مثال رہنا ہے

بے حد و بے حساب چلتے ہیں
پی کے غم کی شراب چلتے ہیں
کشتِ حسرت اُجڑ گیا اپنا
حسرتوں کے گلاب چلتے ہیں

یہ گھمنڈ اور تکبر کہ بڑا حاکم ہوں
دوست یہ نشہ بہت جلد اُتر جائے گا
آج مغرور ہے کل ہوگا پشیماں لیکن
تیرا افسوس ترے کام نہیں آئے گا

پھر نئی تاب و تواں پیدا کریں
دل میں تخیلِ جواں پیدا کریں
چھائی ہے دنیا پہ تاریکی ہلال
آفتابِ ضو فشاں پیدا کریں

ظلمت ہے پُر فشاں تو نہیں نور بھی معدوم
ہر شے ہے یہاں عام اس دستور کو دیکھو
خالی نہیں ہے پھولوں سے آج بھی دنیا
آئے نہ اعتبار تو منظور کو دیکھو

دین و دھرم دیوار بنے یہ کیسے ہو
یہ انسان خونخوار بنے یہ کیسے ہو
ہمدردی کا، پریم کا جو پرچار کرے
وہ مذہب تلوار بنے یہ کیسے ہو

دھرم کے پابند تم ہیں دین کا صیاد زبوں
سوچتا ہوں تاجرانِ رام و رحمٰن سے کہوں
گر سبھی یکساں ہیں اہلِ خدا و رام داس
امتیاز اتنا بھلا انسان اور آدم میں کیوں

ساری دنیا کی جفائیں تھیں گوارا لیکن
تم کو بھی اس کے ستم ڈھانے میں شامل دیکھا

وہ جو لمحے فوت ہو گئے مرے پُر بہارِ شباب کے
وہی شعر بن کے سنور گئے مرے آہ و نالے کے تار پہ

عاشق ہے جو لاکھوں میں وہ شوخ نظر پہچانے ہے
تم کیا جانو نیلشِ محبت یہ تو دل ہی جانے ہے

شعورِ بندگی، طرزِ وفا، ذوقِ جفا طلبی
نیاز اپنا تمہارے ناز اکثر یاد آتے ہیں

ایک وہ ہیں کہ ہنس کر جیتے ہیں
ایک ہم ہیں کہ اشک پیتے ہیں